رسائل و مسائل

مولانا مودودی اور ان کے رفقا کی نظر بندی

(سلسلۂ واقعات کی تاریخ اور حکومت کے طرزِ عمل کا تجزیہ)

پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۳ کے تحت مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی اور میاں طفیل محمد صاحب قیم جماعت اسلامی کی گرفتاری مورخہ ۴ر اکتوبر ۱۹۴۸ء کو مغرب اور عشاء کے درمیان لاہور میں عمل میں آئی تھی اور اس کے چند ہی گھنٹے بعد طلوع آفتاب سے پہلے مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کو راولپنڈی میں گرفتار کیا گیا۔ ابتداءً ان حضرات کو ایک ماہ کے لئے نظر بند رکھنے کا فیصلہ ہوا۔ پھر میعاد میں اضافہ کر کے مدت نظر بندی کو چھ ماہ کر دیا گیا۔ پھر دوسری مرتبہ ۴ر اپریل ۱۹۴۹ء کو مزید چھ ماہ کا اضافہ کیا گیا اور اب ۳ر اکتوبر کو ان کے لئے رہائی کے احکام جاری کرنے کے بجائے نظر بندی کی مدت میں چھ ماہ کا اور اضافہ کر دیا گیا ہے۔ پبلک میں پہلے ہی اضطراب موجود تھا لیکن تازہ اضافہ نے اسے اور بڑھا دیا ہے۔ اس سلسلے میں پبلک ہمہ تن سوال بنی ہوئی ہے کہ یہ ماجرا کیا ہے اور اسے حکومت کا تازہ بیان مطمئن نہیں کر سکا۔ اس موقع پر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سوال کے جواب میں اصل حقیقت کو واضح کر دیں۔ (ادارہ)

جماعت اسلامی کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، نائب امیر مولانا امین احسن اصلاحی اور قیم جماعت (سیکرٹری) میاں طفیل محمد صاحب کی گرفتاری کا اصل پس منظر کیا تھا؟ یہ وہ سوال ہے جس سے بہت سے لوگ واقف ہو چکے ہیں لیکن بعض اصل حقیقت کے بارے میں اب تک مغالطے میں پڑے ہیں۔ ملک و ملت کے مفاد کے لئے یہ ضروری ہے کہ گرفتاری کے اصل محرک کو پوری طرح واضح کر دیا جائے اور ان حیلوں اور بہانوں کی حقیقت کھول دی جائے جنہیں تشدد کو جائز کرنے کے لئے اربابِ حکومت نے اختیار کیا ہے۔

واقعات یہ ہیں:۔

(۱) قیام پاکستان کے پانچ ماہ بعد مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے جنوری ۴۸ ۱۹ء میں لاء کالج لاہور کے طلبہ کی دعوت پر تقریر کرتے ہوئے پہلی مرتبہ یہ سوال اٹھایا کہ پاکستان کا مطالبہ جس مقصد کے لئے کیا گیا تھا، اب پاکستان قائم ہو جانے کے بعد اس کو پورا ہونا چاہیے۔ یعنی یہ کہ اس ملک کا نظام حکومت اسلامی آئین پر قائم ہو، اور یہاں کا ملکی قانون (Law of the Land) انگریز کا چھوڑا ہوا یا انسانوں کا بنایا ہوا نہیں بلکہ خدا کا بھیجا ہوا اور رسول صلعم کا لایا ہوا قانون ہو۔ پھر فروری ۴۸ ۱۹ء میں "اسلامی قانون" کے عنوان پر لاء کالج ہی میں مولانا کی تقریر ہوئی جس میں اسلامی آئین و قانون کے نفاذ کی عملی تدابیر پیش کرتے ہوئے مولانا موصوف نے بتایا کہ ہم نے اپنے سابق حکمرانوں سے جو کافرانہ نظام ورثہ میں پایا ہے اسے اسلامی نظام میں تبدیل کرنے کے لئے پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ ہماری دستور ساز اسمبلی باقاعدہ اس امر کا اعلان کرے کہ :-

(ا) پاکستان میں حاکمیت خدا کی ہے اور ریاست اس کے نائب کی حیثیت سے کام کرے گی۔

(ب) ریاست کا اساسی قانون شریعتِ خداوندی ہے جو محمد صلعم کے ذریعے ہمیں پہنچا ہے۔

(ج) تمام پچھلے قوانین جو شریعت سے متصادم ہوتے ہیں ابتدریج بدل دیئے جائیں گے، اور آئندہ کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا جو شریعت کے خلاف پڑتا ہو۔

(د) ریاست اپنے اختیارات کے استعمال میں اسلامی حدود سے تجاوز کرنے کی مجاز نہ ہوگی۔

یہی وہ چار نکات ہیں جن کو جماعت اسلامی اور ملک کی دوسری جماعتوں نے اسلامی نظام کی بنیاد مان کر ملک کے گوشے گوشے سے مطالبہ کرنا شروع کیا کہ دستور ساز اسمبلی ان کا اعلان کر دے۔

(۲) مارچ ۴۸ ۱۹ء کے آغاز سے جماعت اسلامی نے مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی (امیر جماعت) کی رہنمائی میں اس مطالبہ کو حکومت سے تسلیم کرانے کے لئے باقاعدہ جدوجہد شروع کی۔ مارچ سے مئی تک لاہور، راولپنڈی، ملتان، کراچی، پشاور اور علاوہ بریں لائلپور، منٹگمری، گوجرانوالہ اور سیالکوٹ میں جماعت نے بڑے بڑے اجتماعات منعقد ہوئے، جن میں یہی مطالبہ مولانا کی تقریروں کا موضوع تھا۔ ان جلسوں میں عوام اتنی اتنی بڑی تعداد میں شریک ہوئے کہ بعض جگہ یہ کہا گیا کہ اتنے لوگ کہاں سے گئے ہیں۔ ان جلسوں میں مولانا نے عوام الناس اور تعلیم یافتہ طبقے کو اپنے دلائل سے اس امر پر پوری طرح مطمئن کر دیا کہ ان کی فلاح کلیتہً اسلامی نظام کے قیام سے

وابستہ ہے اور اسلامی نظام موجودہ دورِ تمدن میں پوری طرح قابلِ عمل، بلکہ دوسرے نظاموں کے مقابلے میں ترقی و استحکام کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ نیز یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ وہ تمام حیلے اور بہانے قطعاً غلط ہیں جو اسلامی نظام سے بچنے کے لئے کئے جا رہے ہیں۔ ان اجتماعات کے علاوہ مولانا مودودی صاحب، اصلاحی صاحب اور جماعت کے دوسرے کارکنوں نے ملک کے مختلف حصوں میں دورے کئے، رائے عامہ کو اس مطالبے کے حق میں منظم کرنے کی کوشش کی اور جگہ جگہ جلسے کر کے تقریریں کیں۔ نیز جماعت نے ایسا لٹریچر بھی تیار کرنا شروع کر دیا جس سے ایک طرف اسلامی نظام کا ہر پہلو روشنی میں آ رہا تھا اور دوسری طرف ان تمام مشکلات اور دقتوں کا حل بھی پیش کیا جا رہا تھا جن کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہی دراصل اسلامی نظام کے قیام میں حائل ہیں۔

(۳) ابھی اس جدوجہد کو چلتے ہوئے تین ہی مہینے ہوئے تھے کہ حکمران طبقہ اس سے پریشان ہو گیا اور اس کی پریشانی کے چار بڑے سبب تھے:۔

(الف) ایک یہ کہ دعوت اس اسلام کی طرف تھی جس کا نام لے کر پچھلے دس سال سے یہ حضرات مسلمانوں کے سروں پر سوار ہوئے تھے، اس لئے اب اس سے منہ موڑنا سخت مشکل تھا۔

(ب) دوسرے یہ کہ دعوت علمی اور عقلی دونوں حیثیتوں سے اتنی مضبوط تھی کہ اس کے مقابلے میں یارائے دم زدن نہ تھا۔ جو بات بھی کہی جاتی تھی، اس کی تردید ممکن نہ تھی اور جو عذرات بھی اسلامی نظام سے فرار کے لئے پیش کئے جاتے تھے ان کا پورا اور نہایت وزنی جواب بروقت مل جاتا تھا۔

(ج) تیسرے یہ کہ اس کی پشت پر ایک منظم، سنجیدہ اور مضبوط عملی تحریک موجود تھی جس کا طریق کار پچھلی ہوائی تحریکوں کے طریقِ کار سے بالکل مختلف تھا۔

(د) اور چوتھے یہ کہ اس دعوت پر مسلمان پبلک نے یکایک ایسی کثرت اور شدت کے ساتھ لبیک کہا جس کی ان حضرات کو توقع نہ تھی۔ لاہور، راولپنڈی، ملتان، پشاور، سیالکوٹ، لائلپور، جھنگ، کراچی اور دوسرے مقامات پر جو عظیم الشان مجمعے مولانا مودودی صاحب کی تقاریر سننے کے لئے جمع ہوئے، انہیں دیکھ کر پہلی مرتبہ حکمراں طبقے پر یہ منکشف ہوا کہ ان کے جیتے جی کوئی اور بھی ہے جس کی شخصیت اور جس کی بات عوام اور خواص کو اس طرح اپیل کرتی ہے۔

یہ وجوہ تھے جن کے پیشِ نظر ہمارے ملک کے اربابِ اقتدار کا ماتھا ٹھنکا اور ان کو محسوس ہوا کہ یہ خطرہ اگر بڑھ گیا تو پھر عہدو

کی کرسیوں پر قابض رہنا ممکن نہ رہے گا۔

قیام پاکستان سے پہلے جب یہ حضرات اسلام، اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کا نام لے لے کر ادھ کھلے در دو ڈھ ٹھہ کر مسلمانوں سے ووٹ لے رہے تھے اس وقت ان کے ذہن میں ایسا کوئی اندیشہ نہ تھا کہ پاکستان بننے کے بعد فی الواقع انہیں اپنے ان وعدوں کو پورا کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ وہ مطمئن تھے کہ وہ مسلمانوں میں اپنی پارٹی کے سوا ہر دوسری پارٹی کا قلع قمع کر چکے ہیں اور ان کی شخصیتوں کے سوا سب شخصیتیں کچلی جا چکی ہیں۔ انہیں اسلام سے مسلمانوں کی عام ناواقفیت پر بھی پورا پورا بھروسہ تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اپنی پروپگنڈہ مشینری کے ذریعے سے وہ جس کفر اور فسق کو چاہیں گے اسلام بنا لیں گے۔ وہ عام مسلمانوں کی سادگی اور سادہ لوحی پر بھی اعتماد کئے ہوئے تھے اور یہ یقین رکھتے تھے کہ جس طرح اب تک ہم اسلامی احکام کی کھلی کھلی بغاوت کے باوجود محض اسلام کے نام سے مسلمانوں کو دھوکا دیتے رہے ہیں اور مسلمان دھوکا کھاتے رہے ہیں، اسی طرح آئندہ بھی اسلامی کاروبار زبانی جمع خرچ سے چلتا رہیگا۔ انہیں اگر تھوڑا بہت کچھ اندیشہ تھا تو "مولویوں" سے تھا، لیکن وہ اپنے پچھلے تجربات کی بنا پر جانتے تھے کہ مولوی اب آگے چلنے اور دنیا کو اپنے پیچھے چلانے کی طاقت کھو چکا ہے اور اسے ہم سیاست کے میدان سے باہر دھکیلنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ وہ کانگرس کی طرف گیا تو متبع بن کر اور لیگ کی طرف آیا تو بھی متبع بن کر ۔۔۔ یا پھر خاموشی کے ساتھ گوشوں میں بیٹھ کر دعا گوئی یا وعظ گوئی کرتا رہا۔ لہذا انہیں اطمینان تھا کہ "مولوی" کوئی بڑا خطرہ ثابت نہیں ہو سکے گا۔ چنانچہ قیام پاکستان کے بعد جب وہ مسندِ اقتدار پر متمکن ہوئے تو انہوں نے بے کھٹکے اپنے ان وعدوں کو ٹھوکر مار دی جو اسلام کے نام پر ووٹ لیتے وقت وہ مسلمانوں سے کرتے رہے تھے، اور دستور ساز اسمبلی کے پہلے ہی اجلاس میں صاف صاف یہ نظریہ دنیا کو سنا دیا گیا کہ:-

"پاکستان ایک لادینی ر[illegible]) جمہوری ریاست ہوگا اور اس میں نہ ہندو ہندو رہے گا اور نہ مسلمان مسلمان ۔۔۔ مذہبی حیثیت سے نہیں، کیونکہ مذہب تو ہر شخص کا انفرادی معاملہ ہے، بلکہ سیاسی حیثیت سے !"

اسلامی نظام کے حق میں بار بار دہرائے ہوئے وعدوں سے یہ صریح انحراف تھا جو قیام پاکستان کے پہلے ہی دن کیا گیا۔ دراصل یہ انحراف اس اطمینان پر کیا گیا تھا کہ عام مسلمان تو اس کے معنی اور نتائج کو سمجھ ہی نہ سکیں گے

اور خاص لوگوں میں ایسا کوئی نہیں ہے جو اسے چیلنج کرنے کی جرأت کر سکے۔ اگر کوئی چیلنج کرے گا بھی، تو بھی رائے عام کو اسلام کے حق میں منظم کرنے کی قوت کسے نصیب ہے؟ مگر جب اچانک ان کو اس صورتِ حال سے سابقہ پیش آیا کہ ان کے مقابلے میں ایک شخص ایسا موجود ہے جو عوام اور تعلیم یافتہ طبقہ میں اثر رکھتا ہے، اور وہ تنہا ہی نہیں، بلکہ ایسے تربیت یافتہ ذہین کارکنوں کا ایک بڑا دستہ بھی وہ تیار کر چکا ہے جو عوام کو ساتھ لے کے چل سکیں اور پھر اس کے ساتھ ایک منظم پارٹی بھی موجود ہے جو اسلامی نظام کے قیام کے لئے جدوجہد کرنے کا بل بوتا رکھتی ہے، اور پھر علمی حیثیت سے بھی اسلامی نظام کا وہ نقشہ سامنے لاکر رکھ دیا گیا ہے جسے رد کرنے کے لئے کوئی بھی بہانہ نہیں بنایا جا سکتا تو انہوں نے محسوس کیا کہ فی الواقع وہ ایک خطرہ سے دوچار ہیں۔

خصوصیت سے ان کو یہ بات اچھی طرح محسوس ہو چکی تھی کہ ان کے بالمقابل اسلامی نظام کے جو داعی رائے عام کو منظم کر رہے ہیں، وہ نہ صرف یہ دین کی حقیقت کو سمجھنے والے ہیں، بلکہ جدید دور کے سیاسی اور معاشی نظاموں کے بارے میں بھی ان کا فہم و شعور پختہ ہے اور ان کی علمی صلاحیتیں برابر کی ٹکر کی ہیں۔

(۴) اب یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ سامنے سے اس "خطرے" کو ہموار کیا جا سکتا۔ مولانا مودودی صاحب اور ان کے ساتھی جن باتوں کی تبلیغ کر رہے تھے، ان میں سے کسی کو بھی جرم نہیں ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ شخصی اور جماعتی حیثیت سے جن کاموں پر ان کی اور ارکان جماعت اسلامی کی تمام مساعی صرف ہو رہی تھیں ان کے اندر بھی کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ اس کی بنیاد پر مولانائے ممدوح یا ان کے کسی رفیق کو پکڑا جا سکتا، اور اگر بغیر کچھ وجہ بتائے مولانا یا ان کے ساتھیوں پر ہاتھ ڈالا جاتا تو عام مسلمان اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہ سمجھ سکتے تھے کہ اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد وہ جرم ہے جس پر انہیں پکڑا گیا ہے۔ لہٰذا اکابر حکومت نے ایک طرف تو یہ کیا کہ جماعت اسلامی کو انگریز کے قانون کے تحت سیاسی جماعت قرار دے کر سی۔ آئی۔ ڈی کی نگرانی اور خطوط کے سنسر کا سلسلہ شروع کر دیا اور دوسری طرف یہ سازش شروع کی کہ کوئی ایسا شوشہ چھیڑا جائے جس سے مولانا موصوف اور جماعت اسلامی کو پہلے بدنام کیا جا سکے اور پھر انہیں اور ان کے خاص خاص ساتھیوں کو گرفتار کر کے نظام اسلامی کی اس تحریک کا سارا جھگڑا ہی ختم کر دیا جائے۔ کشمیر کا مشہور قضیہ دراصل اس سازش کا نتیجہ تھا۔ یہ قضیہ کس طرح اٹھایا گیا؟ اس کی اصلیت کیا تھی؟ اور اس سے کیا کام لیا گیا؟ ان سوالات پر حسب ذیل واقعات روشنی ڈالیں گے:۔

۱۔ کشمیر کے بارے میں مولانا کا نظریہ اول روز سے یہ تھا کہ یہ ریاست پاکستان ہی کا ایک حصہ ہے لیکن وہ ریاستوں کے بارے میں معاہدۂ تقسیم کے فیصلے کو مخدوش سمجھتے تھے اور ریڈکلف ایوارڈ کی رُو سے جب گورداسپور کا ضلع انڈین یونین کے حوالے کر دیا گیا تو ان کو کشمیر خطرے میں پڑتا محسوس ہوا۔ چنانچہ پاکستان میں آنے کے بعد مولانا نے خاص طور پر حکومت پنجاب کے ایک ذمہ دار ترین شخص سے خود جا کے ملاقات کی اور اسے یہ دعوت دی کہ کشمیر میں مسلمانوں پر جو ظلم توڑا جا رہا ہے اسے روکنے کے لئے اور مزید خطرات کے سدباب کے لئے آپ کو چاہیئے کہ آپ کھلم کھلا اپنی فوجیں بھیج کر اپنے حق کو محفوظ کر لیں اور اس معاملے میں جماعت کی طرف سے تعاون کا پورا پورا یقین دلایا لیکن شخص موصوف نے اس دعوت کو ٹال دیا۔ اس کے چند ہی روز بعد ہماری حکومت نے والئ ریاست کشمیر سے معاہدہ بحالئ تعلقات (Stand Still Agreement) کرنے کی وہ غلطی کی جس کا نتیجہ بعد میں پاکستان کو بھگتنا پڑا۔ مولانائے موصوف کے یہی وہ احساسات تھے جن کو ۱۲ اگست کے بیان میں (ملاحظہ ہو: روزنامہ تسنیم مورخہ ۱۲ اگست) صاف صاف ظاہر کیا ہے کہ:

کشمیر کے معاملے میں جو الجھنیں واقع ہوئی ہیں وہ سب ہمارے لیڈروں کی پیہم غلطیوں کے نتائج ہیں۔ انہوں نے ریاستوں کے متعلق بالکل ایک مبہم بات مان لی اور قطعی طور پر یہ طے نہیں کر لیا کہ کسی مملکت (Dominion) میں کسی ریاست کی شرکت کا فیصلہ والئ ریاست نہیں کرے گا، بلکہ باشندگانِ ریاست کریں گے۔ بلکہ وہ ہمارے ہی لیڈر تھے جنہوں نے اس خیال کی مخالفت کی۔ پھر انہوں نے سرحدوں کے تعین کا فیصلہ ریڈکلف اور ماؤنٹ بیٹن کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اور پیشگی لکھ دے دیا کہ جو سرحدی خط وہ کھینچ دیں گے اسکو بے چون وچرا مان لیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورداسپور کا ضلع انڈین یونین میں شامل کر دیا گیا اور کشمیر کے ہندو رئیس کو ہندوستان کے ساتھ شامل ہونے کا راستہ مل گیا۔ پھر انہوں نے کشمیر کے ساتھ بحالئ تعلقات کا معاہدہ (Stand Still Agreement) کر لیا اور جموں اور پونچھ میں جب مسلمانوں پر ظلم وستم ہو رہے تھے تو یہ خاموش بیٹھے دیکھتے رہے۔ پھر جب والئ کشمیر

انڈین یونین میں شامل ہو گیا اور ہندوستان نے وہاں فوجیں آتار دیں تو چند بیانات دینے کے سوا انہوں نے کچھ کیا۔[1]

ان سطور سے یہ شہادت مل سکتی ہے کہ مولانا کے سینے میں کشمیر کے لئے کتنا درد موجود تھا۔

باقی رہا وہ شرعی اختلاف جو مولانا کو اس طرزِ عمل سے تھا کہ حکومت ایک طرف تو دوستی کے معاہدے کرتی رہے جن کی وجہ سے کشمیر کے لئے کھل کر لڑنا ممکن نہ رہے اور دوسری طرف خفیہ طور پر کچھ بے سروسامان لوگوں کو کشمیر میں بھیج کر شہید کرا دیا جاتا رہے، اس کی تبلیغ و اشاعت تو درکنار، انہوں نے اس کا ذکر تک کبھی کسی سے نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ جو لوگ شب روز ان کے ساتھ کام کرنے والے تھے، ان کو بھی اس کے بارے میں کوئی علم نہ تھا کہ مولانا کشمیر کے مسئلے کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ یہ ان کی اپنی رائے تھی جو صرف انہی کے ذہن تک محدود تھی۔ وہ نہ کسی کو جنگ پر جانے کے لئے کہتے تھے اور نہ کسی کو جانے سے روکتے تھے چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ جماعت اسلامی کے دو یا ناٹد ہمدرد باقاعدہ محاذ پر جا کر شریکِ جنگ رہے ہیں۔

مئی ۱۹۴۸ء کے دوسرے ہفتے میں جب جماعت اسلامی صوبہ سرحد کے اجتماع کے موقع پر مولانا موصوف پشاور گئے تو ایک صاحب ایک پرائیویٹ صحبت میں ان سے آکر ملے اور انہوں نے پوچھا کہ مولانا! آپ جہادِ کشمیر میں عملی حصہ کیوں نہیں لیتے؟ انہوں نے کہا کہ آپ اس سوال کا جواب دینے پر مجھے مجبور نہ کریں۔ میری اس معاملہ میں جو رائے ہے اسے ظاہر کرنا میں مناسب نہیں سمجھتا۔ انہوں نے پھر اصرار کیا اور مولانا نے پھر معذرت کی۔ تیسری مرتبہ انہوں نے کہا کہ اگر یہ کوئی شرعی مسئلہ ہے تو آپ اسے کیوں چھپاتے ہیں؟ تب مولانا نے ان کو بتایا کہ اس مسئلہ کی شرعی پوزیشن کیا ہے اور کس بنا پر وہ اس میں پوری طرح عملی حصہ لینے سے معذور ہیں۔ ان صاحب نے کہا کہ میں

[1] یہ واقعہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ یہ لوگ جو کشمیر کے بڑے خیر خواہ بنے پھرتے تھے اور کشمیر کے نام پر مولانا موصوف کے خلاف محاذ بنائے ہوئے تھے، ان کی خیر خواہیٔ کشمیر کا حال یہ تھا کہ عین اس جہاد میں کہیں تو شراب اور رقص و سرود کی محفلوں کی زینت بنے ہوئے تھے اور کہیں یہ اقتدار کی جنگ جیتنے کے لئے کرسیوں سے لڑائی لڑ رہے تھے، جب کہ کشمیر کے مورچوں پر ہمارے نوجوان اپنے سینوں پر گولیاں کھا رہے تھے۔ کشمیر کے جہاد کو اصل نقصان ان خیر خواہانِ کشمیر نے خود پہنچایا ہے۔

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست!

آپ کی اس رائے کو اخبارات میں شائع کروں گا۔" مولانا نے جواب دیا کہ اگر آپ ایسا کریں گے تو جتنا نقصان آپ مجھے پہنچائیں گے اس سے کہیں زیادہ نقصان کشمیر کے معاملے کو پہنچے گا۔ اعلان کرنا ہوتا تو میں خود ہی اس کا اعلان کرچکا ہوتا، آپ کی تشریف آوری کا انتظار نہ کرتا۔ مگر میں اس کا علان کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور نہ مناسب ——— آگے آپ اپنے عمل کے مختار ہیں۔ اس گفتگو کے دوسرے ہی دن ان صاحب نے بڑی حاشیہ آرائیوں کے ساتھ اسے پشاور کے ایک اخبار میں شائع کرادیا، اور پھر مولانا کے لاہور پہنچتے پہنچتے "سول اینڈ ملٹری گزٹ" اور بعض دوسرے اخبارات میں بھی یہ خبر بہت کچھ غلط طریقے سے شائع ہوئی۔

دنیا یہ سن کر حیران ہوگی ——— اور مولانا اور جماعت کے دوسرے لوگ بھی اس انکشاف پر سخت حیران ہوئے تھے کہ یہ صاحب جنہوں نے اس طرح پرائیویٹ مجلس میں مولانا سے ایک بات پوچھی اور پھر ان کے جواب کو کسی قدر تحریف کے ساتھ دنیا بھر میں پھیلایا، یہ کوئی ہندوستانی حکومت یا ماسٹر تارا سنگھ کے ایجنٹ نہیں تھے، بلکہ آزاد کشمیر گورنمنٹ کے نشر و اشاعت کے انچارج جناب نبی بخش نظامی تھے۔ ان صاحب کا نام اور منصب معلوم کرنے کے بعد شاید کسی ہوشمند آدمی کو بھی اس امر میں شک نہ رہے گا کہ یہ صاحب مولانا کے پاس خود نہیں آئے تھے بلکہ بھیجے گئے تھے۔ اور ان کا اس بات کو شائع کرنا کسی نادان بچے کی حماقت نہیں بلکہ خوب سوچی سمجھی اسکیم کا نتیجہ تھا۔ ورنہ اگر یہ نبی بخش نظامی صاحب کی اپنی کارستانی ہوتی تو آزاد کشمیر گورنمنٹ اور حکومت پاکستان ان سے باز پرس کرتی اور ان کی اس حرکت پر کوئی سخت اقدام ان کے خلاف اٹھاتی۔

۴۔ نبی بخش نظامی صاحب کا یوں بھیجا جانا اور پھر مولانا سے گفتگو کے بعد ان کی رائے کو شائع کرنا اور پھر سرکاری اثر کے تحت کام کرنے والے اخبارات کا اس کو اچھالنا، اور اس طرح اس کا ہموں ریڈیو اور آل انڈیا ریڈیو تک پہنچانا کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا، بلکہ پاکستان کے سربراہ کاروں نے خود سے یہاں بھیجنے کا انتظام فرمایا تھا، تاکہ ہندوستان اور کشمیر کی حکومتیں اس رائے کو کشمیر کے جھگڑے میں پاکستان کے خلاف استعمال کریں اور پھر پاکستان کے مسلمانوں کو مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے خلاف بھڑکایا جاسکے۔ ہمارے اکابر کا یہ کارنامہ ہمیشہ یادگار رہے گا کہ انہوں نے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کو نقصان پہنچانے کے

لئے جہادِ کشمیر تک کو نقصان پہنچانا پسند کر لیا۔

یہی سازش تھی جس کی وجہ سے حکومت پاکستان نے اپنے لاہور ریڈیو سے مولانا کے اس تردیدی بیان کو نشر کرنے سے انکار کیا جس میں جموں ریڈیو اور آل انڈیا ریڈیو کی غلط بیانیوں کو پوری طرح جھٹلایا گیا تھا۔ مولانا موصوف کا مذکورہ بالا بیان درج ذیل ہے۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ کشمیر کے متعلق میرے بیانات کو جموں ریڈیو، آل انڈیا ریڈیو اور شیخ عبداللہ صاحب کی حکومت نے بہت غلط معنی پہنا کر نشر کیا ہے اور اس سے جموں و کشمیر کی آزادی کے لئے لڑنے والوں کو، نیز اہل کشمیر کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے میں نے خود ان کے کسی نشری بیان کو نہیں سنا اور نہ کوئی شائع شدہ چیز دیکھی ہے لیکن ان کی جو باتیں معتبر ذرائع سے مجھ تک پہنچی ہیں وہ میرے منشاء کے بالکل خلاف ہیں۔ لہٰذا ان کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو رفع کرنے کے لئے میں حسب ذیل امور کی توضیح کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

I میں کشمیر کو پاکستان کا ایک قدرتی حصہ سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک جغرافی، نسلی، تاریخی، معاشی، تمدنی، مذہبی، ہر لحاظ سے کشمیر پاکستان سے تعلق رکھتا ہے، نہ کہ ہندوستان سے۔

II میں قطعی طور پر یہ رائے رکھتا ہوں کہ انڈین یونین نے ریاست کشمیر کی شمولیت قبول کر کے سخت غلطی کی ہے۔ جوناگڈھ کے معاملہ میں جس اصول پر اس نے اصرار کیا تھا۔ اسے خود کشمیر میں توڑ دیا۔ پھر دونوں جگہ دو متضاد بنیادوں پر فوجی مداخلت کر کے اس نے ایسی غلط پوزیشن اختیار کی ہے جسے کسی طرح حق بجانب ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

III مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کے اخراج کے بعد انڈین یونین میں کشمیر کی شمولیت میرے نزدیک مسلمانانِ کشمیر کے لئے سخت مہلک ہے۔ ان کو ہندوستان کے ساتھ اور تمام دنیا کے ساتھ تعلق رکھنے کے لئے جس راستے سے گزرنا ہوگا۔ وہ پٹھان کوٹ سے لے کر نواح دہلی تک مسلمانوں سے خالی ہو چکا ہے۔ اور ایک مدتِ دراز تک وہ مسلمانوں کی آمد و رفت کے لئے خطرناک رہے گا۔

یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ جن اغراض کے لئے پاکستان کی سرحد سے قریب کے تمام علاقے مسلمانوں سے

خالی کرائے گئے ہیں۔ انہی اغراض کے لیے کل کشمیر کو بھی مسلمانوں سے خالی کرانے کی کوشش کی جائے لہٰذا خود باشندگانِ کشمیر کی سلامتی بھی اسی میں ہے کہ وہ پاکستان سے اپنا تعلق جوڑیں۔ انہی وجوہ سے جماعت اسلامی یہ قطعی ارادہ رکھتی ہے۔ کہ وہ استصواب رائے کے موقع پر پاکستان کے حق میں اہل کشمیر کی رائے ہموار کرنے کی پوری کوشش کرے گی۔

IV۔ ریاست کشمیر کے مسلمان ڈوگروں اور ہندی فوجوں کے مقابلے میں اپنی جان، مال، آبرو اور آزادی بچانے کے لئے جو جدوجہد کر رہے ہیں اسے میں بالکل حق بجانب سمجھتا ہوں اور متعدد بار کہہ چکا ہوں کہ ان کی یہ جنگ اسلامی نقطۂ نظر سے جہاد کے حکم میں ہے۔

V آزاد سرحدی علاقے کے جو لوگ نیک نیتی کے ساتھ محض خدا کے لئے اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کو گئے اور جنہوں نے وہاں اسلامی حدود کی پابندی کرتے ہوئے جنگ کی، وہ بھی میرے نزدیک مجاہد ہیں۔ انہوں نے اپنا اخلاقی و دینی فرض انجام دیا۔ اور امید ہے کہ وہ خدا سے اپنا اجر پائیں گے

VI پاکستان کے باشندوں کے لئے بھی شرعاً میں یہ بالکل جائز سمجھتا ہوں کہ وہ کشمیر کی جنگ آزادی میں خوراک، پوشاک، اور طبی امداد کی حد تک حصہ لیں۔ اگر مجاہدین کشمیر ان سے اسلحہ خریدیں تو وہ فروخت کرنے کے بھی شرعاً مجاز ہیں۔ لیکن جب تک حکومت ہند اور حکومت پاکستان کے درمیان معاہدانہ تعلقات قائم ہیں۔ میں براہ راست جنگی کارروائی میں ان کی شرکت کو جائز نہیں سمجھتا۔ شریعت کے احکام میری دانست میں یہی ہیں۔ اور اس کے خلاف جو دلائل پیش کئے گئے ہیں ان سے میرا اطمینان نہیں ہو سکا ہے مگر میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ جو لوگ میری رائے کے خلاف کسی دوسرے عالم کے فتوے کی پیروی میں محاذ کشمیر پر جا کر لڑیں گے وہ حرام موت مریں گے۔ یہ بالکل ایک غلط بات ہے جو میری طرف منسوب کر دی گئی ہے۔

VII میری مذکورہ بالا رائے کا منشا یہ ہرگز نہیں ہے کہ حکومت پاکستان حکومت ہند کے ساتھ ان معاہدانہ تعلقات کو باقی رکھے اور پاکستان کے لوگ کشمیر کی جنگِ آزادی میں شرکت کرنے سے باز رہیں۔ اس کے برعکس میرا اصل منشا یہ ہے کہ حکومتِ پاکستان ان تعلقات کو ختم کر کے ہمارے

راستے سے وہ شرعی اور اخلاقی رکاوٹ دور کر دے جو کشمیر کے لئے ہمیں اپنی پوری طاقت صرف کرنے سے روک رہی ہے۔ میں کشمیر کو پاکستان کی زندگی کے لئے ناگزیر سمجھتا ہوں میرے نزدیک اسے بچانے کے لئے اس سے بہت زیادہ کوشش کرنی چاہیئے جو اب تک کی گئی ہے۔ اور میں اچھی طرح یہ بات سمجھتا ہوں کہ یہ ظاہری تعلقات ہی اب تک اس راہ میں رکاوٹ بنے رہے ہیں۔

افسوس ہے کہ میرے بیانات کو، ان کے اصل الفاظ ظاہر کیے بغیر ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں غلط معنی پہنائے گئے اور دونوں جگہ دو مختلف سیاسی اغراض کے لئے ان کو استعمال کیا گیا۔ حالانکہ میرا منشا اُن میں بھی غیر واضح نہ تھا۔ اب ان تصریحات کے بعد میں توقع رکھتا ہوں کہ کوئی غلط بات میری طرف منسوب کرنے کی کوشش نہ کی جائے گی۔"

یہ بیان لاہور اور کراچی کے تمام اخبارات کو بھیجا گیا تھا جن میں سے جہانِ نو کراچی اور سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور نے اسے شائع کیا۔ یہ بیان ۴ر ستمبر کو ریڈیو پاکستان لاہور کے ڈائرکٹر صاحب کو روانہ کیا گیا (دفتر شعبہ تنظیم کے رجسٹر خط و کتابت کا نمبر ۲۰۴۰ ہے) اور اس کے ساتھ ان سے یہ بھی درخواست کی گئی کہ مولانا یہ چاہتے ہیں کہ اگر خود ان کو موقعہ دیا جائے تو وہ اپنی زبان سے مجبوراً ریڈیو کی غلط بیانیوں کی تردید کو زیادہ مفید سمجھتے ہیں۔ لیکن نہ صرف یہ کہ مولانا کو اسکی اجازت نہ دی گئی بلکہ اس بیان تک کو نشر نہیں کیا گیا۔

صاف ظاہر ہے کہ اس بیان کے نشر کرنے سے چونکہ حکومت کے پروپیگنڈے اور اسکی سازش کا قلع قمع ہوتا تھا اس لئے اس نے جہادِ کشمیر کو دانستہ نقصان پہنچنے دیا۔ تاکہ مولانا پر الزام لگانے کی آسانیاں برقرار رہیں۔

۵ - اس سازش کا مزید ثبوت یہ ہے کہ اس خبر کے پرچوں میں آتے ہی پاکستان کے پورے ملکی پریس نے یک زبان ہو کر اس طرح مولانا اور جماعت اسلامی کے خلاف پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا جس سے صاف محسوس ہوتا تھا کہ یہ منصوبہ طے کیا جا چکا تھا۔ کئی مہینے تک بعض اخبارات ایسے انہماک کے ساتھ یہ کار خیر کرتے رہے کہ گویا کشمیر کی جنگ جیتنے کے لئے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کو بدنام کرنا اور ان کے خلاف لوگوں کو اشتعال دلانا بھی کوئی ضروری مرحلہ ہے۔ اخبارات کے ساتھ ساتھ حکومت پاکستان کے پبلک ریلیشن ڈیپارٹمنٹ کے کارکنوں اور سرکاری و نیم سرکاری خطیبوں اور مقرروں کی پوری فوج بھی اس پروپیگنڈے میں حصہ لے رہی تھی اور سب کا مستقل طریق کار یہ تھا کہ مولانا کی ہی طرف اصل

بات ان میں سے کسی نے بھی کبھی لوگوں کے سامنے نقل نہ کی بلکہ خود اپنی طرف سے طرح طرح کی باتیں گھڑ کر مولانا کی طرف منسوب کیں اور ان کے ذریعے عوام الناس کو ان کے خلاف بھڑکایا۔ یہاں تک کہ بعض خطیب صاحبان نے تو مسجدوں کے منبروں پر چڑھ چڑھ کر لوگوں کو مولانا کے قتل تک پر ابھارا۔ پھر یہ مہم یہیں ختم نہیں ہو گئی بلکہ اس جھوٹ اور سفید جھوٹ کو پوری طرح فروغ دینے کے لئے حکومت نے "تسنیم" اور "کوثر" کو چھ ماہ کے لئے بند کر دیا تاکہ اس پروپگنڈے کی کوئی تردید نہ کی جا سکے۔ اس کے بعد سازش کے ثبوت میں اگر کوئی کسر رہ جاتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ حکومت خود ہی ایک سرکاری اعلان کے ذریعے اس کا اعتراف فرمالے کہ ہاں اس نے یہ سازش کی تھی۔

۶۔ مولانا کی گرفتاری کے لئے فضا ابھی اسی طرح تیار کی ہی جا رہی تھی کہ ۸ ستمبر ۴۸ ۱۹ء کو حکومت پاکستان اور کشمیر کمیشن کی مراسلت شائع ہو گئی جس کے بعد مولانا کی رائے میں کشمیر کے معاملے کی شرعی پوزیشن بالکل بدل گئی تھی۔ جیسا کہ موصوف نے ۱۲ اگست کے بیان میں پیشگی یہ اعلان کیا تھا کہ:-

(ا) "اگر معاہدانہ تعلقات ختم ہو چکے ہیں یا سرے سے تھے ہی نہیں (اور حالت جنگ پیدا ہو چکی ہے) تو یہ حکومتِ پاکستان کا کام ہے کہ وہ صاف صاف اس بات کو کہے۔ اگر آج حکومت پاکستان سرکاری طور پر اس چیز کا اعلان کر دے تو میں خود اعتراف کر لوں گا کہ اب شرعی پوزیشن وہ نہیں ہے جو میں نے بیان کی تھی اور ہم جنگی کارروائی کرنے کے لئے آزاد ہیں۔"

(ب) "لیکن اس دعوے کے معاملے میں ہمارے لئے دو ہی طریق کار ہو سکتے ہیں یا تو ہم مصالحانہ طریق سے باشندگان کشمیر کے اس حق کو تسلیم کرائیں اور یا کھلم کھلا اپنی فوجیں کشمیر میں اس طرح اتاریں جس طرح انڈین یونین نے جوناگڑھ میں اتاری تھیں۔ ان دونوں راہوں کے درمیان کوئی تیسری راہ دیانت اور سچائی کی راہ نہیں ہے۔"

(ج) "میں حالات کو جس طرح دیکھ رہا ہوں، مجھے یقین ہے کہ بالآخر کرنا یہی پڑے گا، لیکن بعد از وقت کرنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔" [1]

[1] یہی وہ صورت تھی جس کے تحت مولانا کھلی جنگی کارروائی پر زور دے رہے تھے، اور ہمارے لئے کوئی مقام مسرت نہیں ہے کہ بد قسمتی سے یہ پیشگوئی آج حرف بحرف پوری ہو رہی ہے اور اسی اندیشے نے مولانا کو بے چین کر رکھا تھا (باقی اگلے صفحے پر)

یہ واقعہ ۸ ستمبر ۱۹۵۰ء کا ہے کہ حکومتِ پاکستان کے وزیر خارجہ نے یہ اعلان کر دیا کہ مدافعتی مقصد کے لئے پاکستان کی فوجیں کشمیر کی سرزمین TERRITORY میں داخل ہو کر موجود ہیں۔

اس اطلاع کے ملتے ہی مورخہ ۱۸، ۱۹، ۲۰ ستمبر کو جماعت اسلامی کی مجلسِ شوریٰ کا جو اجلاس منعقد ہوا اس میں مسئلہ کشمیر کی نئی پوزیشن کے بارے میں شرعی احکام کی رو سے جماعت کے طرزِ عمل کو متعین کر دیا گیا۔ ملاحظہ ہو قرارداد نمبر ۵ :۔

"امیر جماعت نے اپنے پچھلے بیانات میں جو شرعی مسئلہ بیان کیا تھا وہ اس حالت سے متعلق تھا، جب کہ سرکاری طور پر اس امر کا کوئی اقرار و اظہار نہیں ہوا تھا کہ پاکستان کی فوجیں حدودِ کشمیر میں موجود ہیں۔ اب ۸ ستمبر کو مجلسِ اقوام متحدہ کے کشمیر کمیشن سے حکومت پاکستان کی جو مراسلت شائع ہوئی ہے اور وزیر خارجہ پاکستان نے ۸ ستمبر کو جو بیان دیا ہے اس میں اس امر کا واضح اقرار و اظہار موجود ہے اور حکومتِ ہند بھی اس پر مطلع ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب چونکہ معاملے کی نوعیت بالکل بدل گئی ہے اور اس بنا پر اس کا شرعی حکم بھی وہ نہیں ہوگا جو پہلے تھا۔" اس انکشاف کے بعد امیر جماعت اور مجلس شوریٰ کی متفقہ رائے یہ ہے کہ اب معاہدانہ تعلقات کے باوجود اہل

بقیہ حاشیہ صفحہ متعلقہ آج کشمیر میں تقسیم کا جو نسخہ لکھوا دیا گیا ہے اسے ہٹانے کے لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ کتنی قربانیوں کی ضرورت پیش آئیگی اور یہ نتیجہ ہے ان لوگوں کی کوتاہ کاریوں کا جو جہاد کشمیر کے بارے میں اپنا اصل فرض انجام دینے سے کنی کاٹتے رہے اور مولانا کو بدنام کرنے میں لگے رہے۔ ان لوگوں نے اپنی کوتاہیوں کی ذمہ داری مولانا پر ڈالنے کی کوشش کی۔ جب وقت تھا تو کھلی جنگ سے کترانے کیلئے یہ لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ ابھی ہماری طاقت کم ہے اور ان الفاظ کے ذریعے عوام کا Morale گرا رہے تھے لیکن جب مجبور ہو کر کھلی جنگ کی صورت کو قبول کرنا پڑا تو یہ وہ وقت تھا جب انڈیا اپنی فوجیں کشمیر میں بڑی تعداد میں پہنچا چکا تھا اور بھاری اسلحہ کی ذخائر کر چکا تھا۔ کمیونسٹ خطرے پر قابو پاکر اور حیدر آباد سے نمٹ کر پوری طرح کشمیر کیطرف یکسو ہو چکا تھا ۔۔۔ اور اب کوئی صورت اس کے سوا باقی نہ رہی تھی کہ ہمارے لیڈر یو، این او کے سامنے نہایت گھٹیا شرائط پر گھٹنے ٹیک دیں اور یہ اعلان کریں کہ ہم اس کے ذریعے مسئلے کو حل کرنا پسند کرتے ہیں۔ انکو اتنی عقل نہ تھی کہ اگر پاکستان کی فوجی قوت ایک خاص رفتار سے آگے بڑھ سکتی ہے تو انڈین یونین بھی اپنی قوت کو اسی تناسب سے بڑھاتی چلی جائیگی وقت وہی تھا جب مولانا نے متنبہ کیا تھا۔ وہ وقت گزار دینے کی وجہ سے مسئلہ ایک خطرناک منزل میں داخل ہو گیا ہے اور اب اسے حل کرنے کے لئے ہم لوگوں کو پہلے سے زیادہ قربانیاں دینی ہونگی اور سر و سامان کی قلت و کثرت سے نگاہ ہٹا کر پہلے سے زیادہ توکل علی اللہ پر انحصار کرنا ہوگا

پاکستان کے لئے جہادِ کشمیر میں جنگی حصہ لینا بالکل جائز ہے۔"

کسی دیانت دار شخص یا جماعت کا طرزِ عمل یہی ہو سکتا ہے کہ جونہی صحیح صورت نمودار ہو جائے وہ اسکو صحیح تسلیم کر لے، چنانچہ مسئلۂ کشمیر میں مولانا مودودی کا طرزِ عمل یہی تھا کشمیر میں فوجیں بھیجنے کا جب تک سرکاری اعلان نہیں ہوا، اس وقت تک وہ اپنے اختلافِ رائے پر قائم رہے اور جب اعلان ہو گیا تو انہوں نے تسلیم کر لیا کہ اب وجہ اختلاف ختم ہو گئی۔

صرف اتنا ہی نہیں، مجلسِ شوریٰ نے یہ بھی صاف صاف واضح کر دیا کہ:۔

"جماعت اسلامی مسلمانانِ کشمیر کے مصائب اور پاکستان کے لئے کشمیر کی اہمیت سے کبھی غافل نہیں تھی، اور انڈین یونین کے بیجا تسلط سے اس اسلامی خطے کو بچانا فرض سمجھتی تھی۔"

"اب چونکہ اس فرض کی ادائیگی میں کوئی شرعی مانع باقی نہیں رہا ہے اس لئے جماعت محض مسئلہ[1] کو مسئلہ جاننے پر اکتفا نہ کرے گی، بلکہ انشاءاللہ خود اس جہاد میں عملی حصہ لے گی۔"

---

[1] چنانچہ جماعت کی مجلسِ شوریٰ نے اس سلسلے میں ایک نقشہ کار تیار کیا اور اس کے مطابق کام شروع کر دیا گیا۔ اسی نقشہ کار کے تحت محمد عبدالجبار غازی صاحب (موجودہ امیر جماعت اسلامی) نے بحیثیت نمائندہ جماعت اسلامی آزاد کشمیر گورنمنٹ کے ذمہ دار لوگوں سے مل کر معلوم کیا کہ ان کو کس نوعیت کی امداد کی زیادہ ضرورت ہے۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ انتظامی اور دفتری کاموں کے لئے کارکن چاہئیں یا لباس اور غذا اور صحت کے ضروری سامان اور جیپ کاریں وغیرہ درکار ہیں تو مرکز جماعت اسلامی سے ایک گشتی مراسلہ (۴۰ - ۴۹ / ۴۰ مورخہ ۱۰ نومبر ۴۸ ۱۹ء) جاری کیا گیا اور اس میں پوری جماعت سے اپیل کی گئی کہ ایک طرف نقد و جنس کی شکل میں مجاہدین کی اعانت کی مہم ... جائے اور دوسری طرف جو لوگ جہادِ کشمیر میں حصہ لینے کے لئے تیار ہوں وہ اپنے نام پیش کریں۔ جماعت نے اپیل کے جواب میں دونوں مطالبوں پر لبیک کہی۔ جماعت کی طرف سے امداد کی عملاً پیشکش کرنے کے لئے جب نمائندہ جماعت آزاد کشمیر گورنمنٹ کے ذمہ دار لوگوں سے ملے تو ان لوگوں نے اس امداد کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ چونکہ حکومت پاکستان نے مولانا مودودی کو گرفتار کر لیا ہے لہٰذا اب ہمارے لئے اس امداد سے فائدہ اٹھانا مشکل ہے۔ آخر جو سامان جمع تھا اسے بطورِ خود ایک گاڑی میں لدوا کر محاذ پر پہنچا دیا گیا اور جو نقد جمع ہوا تھا اس میں سے جماعت اسلامی نے راولپنڈی، جہلم، گجرات اور سیالکوٹ کے کشمیری مہاجرین کے بعض کنبوں کو وظائف دینے کا کام ریلیف قائم کر لیا جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ یہ کام چونکہ بلا کسی کے مشتہر کئے گئے ہیں، اس وجہ سے بہت کم لوگ جماعت اسلامی کی ان خدمات کا علم ... [illegible]

۷۔ جب جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے اس فیصلے کا علم مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو ہوا تو انہوں نے اس پر اظہار اطمینان کیا اور دوسرے تمام حالات کو جاننے والے لوگوں نے ایک اختلاف رائے کے صاف ہو جانے پر یہی تصور کیا کہ اب حکومت اور عوام کے لئے کوئی وجہ شکایت باقی نہیں رہی۔ درحقیقت جماعت اسلامی کی شوریٰ نے اس سرنگ کی ساری بارود آناً فاناً نکال دی جو عمائد حکومت نے چار ماہ کی شبانہ روز محنت سے بھری تھی۔

لیکن ہمارے اکابر حکومت نے محسوس کیا کہ اشتعال کی جو فضا بڑی محنت سے پیدا کی گئی تھی، پیشتر اس کے کہ اس کا غبار چھٹ جائے اور غلط فہمیاں ختم ہو جائیں، ایک آخری موقع اس بات کا باقی ہے کہ مولانا پر ہاتھ ڈالا جائے۔ چنانچہ وسط ستمبر میں مولانا مودودی اور امیر جماعت اسلامی کی طرف سے جہاد کشمیر میں شرکت کا اعلان ہوتا ہے اور حکومت مولانا کو گرفتار کرتی ہے ۴ر اکتوبر ۱۹۴۸ء کو۔ یہ واقعہ خود واضح کر دیتا ہے کہ مسئلہ کشمیر کے متعلق حکومت سارا پروپگنڈہ محض گرفتاری کے لئے کر رہی تھی۔

پھر اس سوال کا کیا جواب ہو سکتا ہے کہ مولانا مودودی نے تو مسئلہ کشمیر میں اختلاف رائے کا اظہار کیا تھا لیکن مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے کونسا قصور کیا تھا؟ اور اگر مولانا مودودی کے رفیق ہونے کی وجہ سے اصلاحی صاحب گرفتاری کے سزاوار تھے تو آخر مولانا کے اور بھی چند چوٹی کے رفیق موجود تھے، مثلاً محمد عبد الجبار غازی صاحب، مولانا مسعود عالم ندوی صاحب، لیکن کرۂ فال اصلاحی صاحب ہی کے نام کیوں نکلا؟ یہ سوال خود پبلک کی رہنمائی اس حقیقت کی طرف کرتا ہے کہ مولانا اور ان کے رفقا کی گرفتاری کے لئے مسئلہ کشمیر کو محض ایک بہانہ بنایا گیا تھا، ورنہ اصل سوال یہ تھا ہی نہیں۔ اصل سوال صرف مطالبۂ نظام اسلامی پیش کرنے کے جرم کا تھا جس سے ہمارے لیڈر چڑے ہوئے تھے۔

۸۔ مسئلہ کشمیر کا جو قلعہ جماعت اسلامی پر حملہ کرنے کے لئے بڑی محنتوں سے تعمیر کیا گیا تھا اسے جماعت اسلامی نے کھنڈروں میں تبدیل کر کے دکھا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت نے پہلی مرتبہ مولانا مودودی اور ان کے رفقا کی گرفتاری کے موقع پر اور نہ ان کی نظربندی کی میعاد میں اضافہ کرتے وقت مسئلہ کشمیر کا حوالہ دینے کی کبھی جسارت نہیں کی۔

(۵) مسئلہ کشمیر کا قلعہ ٹوٹتے دیکھ کر حکومت نے نئے مورچوں میں پناہ لینے کی کوشش کی، لیکن یہ مورچے اس سے بھی زیادہ بودے ثابت ہوئے۔ مثلاً یہ الزام تراشا گیا کہ مولانا اور ان کے رفقا لوگوں کو فوجی بھرتی سے روک کر پاکستان کے دفاع کو کمزور کر رہے ہیں اور ملازمین حکومت کو حلفِ وفاداری لینے سے باز رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی ذلیل پروپیگنڈے کی ایک نئی شکل تھی۔ اس سلسلے کے واقعات کی اصل شکل یہ تھی:۔

۱۔ ایک مرتبہ مولانا مودودی صاحب سے ایک پرائیویٹ صحبت میں جماعت کے کچھ لوگوں نے سوال کیا کہ ہم نیشنل گارڈ میں بھرتی ہوں یا نہ ہوں؟ مولانا نے ان سے کہا کہ سردست آپ نیشنل گارڈ کے بجائے ہوم گارڈ میں شامل ہو کر ٹریننگ لیں۔ پھر اگر خدانخواستہ کسی وقت ملک کو کوئی خطرہ پیش آ گیا تو نیشنل گارڈ میں باقاعدہ فوج میں بھرتی ہو جائیے گا۔ انہوں نے اسکی وجہ پوچھی تو مولانا نے کہا کہ نیشنل گارڈ پاکستان کی فوج کا ایک حصہ ہے اور فوج کے بارے میں قیام پاکستان سے پہلے تو ہمارا صاف اور صریح مسلک یہ تھا جسے ہم نے کبھی کسی سے نہ چھپایا اور نہ اسکی تبلیغ کرنے میں دریغ کیا کہ اسکی ملازمت اور اس کے ساتھ تعاون قطعی حرام ہے، مگر پاکستان بن جانے کے بعد دستوری حیثیت سے اکابر ملک نے گومگو کی جو کیفیت پیدا کر رکھی ہے اسکی وجہ سے کچھ ایسی پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے کہ اب نہ تو ہم کسی کو فوج میں شامل ہونے سے روک سکتے ہیں اور نہ شامل ہونے کا مشورہ دے سکتے ہیں۔ روک اس لئے نہیں سکتے کہ ہم اس ریاست کو اسلامی ریاست بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ یہ ضرور ایک دن اسلامی ریاست میں تبدیل ہو کے رہے گی۔ پھر کس طرح ہم یہ گوارا کر سکتے ہیں کہ ایک ہونے والی اسلامی ریاست کا دفاع کمزور ہو جائے۔ مشورہ ہم اس لئے نہیں دے سکتے کہ ابھی تک پاکستان کا آئین وہی ہے جو انگریزی حکومت کا تھا اور وہ کم سے کم دستوری شرائط پوری نہیں کی گئیں جو ایک ریاست کو اسلامی بناتی ہیں۔ پھر ہم یہ جرأت کیسے کر سکتے ہیں کہ ابھی سے فوج کو اسلامی فوج قرار دے دیں اور لوگوں کو فتویٰ دے دیں کہ اپنے آپ کو اس فوج کے نظم میں دے دیں جو خدا اور رسول کی حدود کی پابندی کا اقرار ابھی تک نہیں کر چکی۔ اس بنا پر میں یہ کہتا ہوں کہ سردست آپ لوگ صرف اتنے پر اکتفا کریں کہ فوجی ٹریننگ لے کر اپنے آپ کو ملک کی مدافعت کے لئے تیار کر لیں۔ آگے چل کر اگر خدانخواستہ کسی وقت ملک پر کوئی حملہ ہو جائے تو اضطرار EMERGENCY کی حالت پیدا ہو جائے گی اور آپ کے لئے شرعاً جائز ہو جائے گا کہ اپنی جان، مال، اور

اپنے ملک کو اسلام کے لئے بچانے کی خاطر فوج میں شامل ہو کر جدوجہد کریں۔ یہ ایک ایسا مسلک تھا کہ نہ اسلام کی کوئی خلاف ورزی ہوتی تھی اور نہ پاکستان کے دفاع کی تیاریوں میں کوتاہی ہو سکتی تھی۔ (یہ پابندی بھی شورائے ۱۰ اپریل ۱۹۴۸ء کے فیصلے کے مطابق صرف ارکانِ جماعت کے لئے تھی)

۲۔ یہی سوال کسی صاحب نے بذریعہ خط دفتر سے پوچھا اور قیم جماعت نے مذکورہ بالا گفتگو کی روشنی میں اس کا سیدھا صاف جواب دے دیا کہ ملکی دفاع کی تیاری ہوم گارڈ کے نظام کے تحت کریں اور اگر خدانخواستہ کوئی موقع پیدا ہو جائے تو پھر دفاع کے لئے نیشنل گارڈ یا فوج سے تعاون کر لیں۔ لیکن سردست نیشنل گارڈ کی شرکت کا مشورہ دینے سے ہم معذور ہیں۔

۳۔ اس خط کا حوالہ اخبارات میں دے کر حکومت کے کارکنوں نے گویا جماعت کے خلاف دوسری مہم شروع کی، لیکن جب دوسرے امیر جماعت محمد عبدالجبار غازی صاحب کی طرف سے اس سلسلے میں جوابی بیان شائع ہوا تو اس وقت حکومت پر واضح ہوا کہ اس کا موقف کمزور ہے۔ اس بیان میں یہ باتیں واضح کر دی گئیں کہ:۔

(ا) ہمارے نزدیک پاکستان کے دفاع کی حیثیت وہی ہے جو اس قطعۂ زمین کی حفاظت کی ہوتی ہے جو مسجد بنانے کے لئے حاصل کیا گیا ہو۔

(ب) ہم عام مسلمانوں کو دفاعی تیاریوں میں پوری سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے کی ترغیب دے رہے ہیں جس کے لئے جماعت کی شورائے تمیز کی قرارداد" اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے)

(ج) جہاں تک عام مسلمانوں کے فوج میں بھرتی ہونے نہ ہونے کا سوال ہے، اس کا فیصلہ ہم انکی اپنی صوابدید پر چھوڑ دیتے ہیں اور اس سلسلے میں ان کو فوجی بھرتی سے تحریراً یا تقریراً روکنے کے لئے کوئی مہم ہماری طرف سے کبھی شروع نہیں کی گئی۔

(د) ارکانِ جماعت کے لئے ہماری ہدایت یہ ہے کہ وہ اپنی توجہات کو اصلاً اقامتِ دین کی جدوجہد پر مرتکز رکھتے ہوئے دفاع کے مختلف کاموں کی تربیت حاصل کرنے میں پورا پورا حصہ لیں۔

(س) عملاً دفاع کی ضرورت پیش آجانے پر ارکان کو بھی بہرحال فوج کے اندر شامل ہو کر یہی فرض ادا کرنا ہوگا۔

(۳) لیکن فوج میں تنخواہ دار ملازم کی حیثیت سے ان کو شمولیت کا مشورہ ہم صرف اسی صورت میں دے سکتے ہیں جب کہ حکومت ریاست اور فوج کے اسلامی ہونے کا دستوری اعلان کرکے گومگو کی موجودہ حالت کو ختم کر دے، اور ہماری کوشش یہ ہے کہ ایسا اعلان جلد از جلد ہو تاکہ حکومت کی سرگرمیوں سے پورا پورا تعاون کرنے میں جو رکاوٹیں ہیں وہ ختم ہو جائیں۔

۴۔ اس تصریح سے حکومت ایسی بوکھلا اٹھی کہ اس نے امیر جماعت کے جوابی بیان بعنوان "جماعت اسلامی اور دفاع پاکستان" کو ضبط کر لیا۔

۵۔ اس کے بعد دوبارہ حکومت کو اس مسئلے کے چھیڑنے کی کبھی جرأت نہیں ہوئی۔

۶۔ رہا حلفِ وفاداری کا مسئلہ، سو اس کی حقیقت یہ تھی کہ صوبہ مغربی پنجاب کی حکومت نے خواہ مخواہ کی ایک اُپج اختیار کی کہ ہر سرکاری ملازم سے پاکستان اور دستورِ پاکستان کی غیر مشروط وفاداری کا حلف لیا جائے اس حرکت کی مثال دنیا کے اور کسی گوشے میں نہیں پائی جاتی اور نہ دستوری طور پر یہ کوئی جائز اور معقول اقدام تھا لیکن جب حماقت سے ایک مسئلہ پیدا کر دیا گیا تو بیدار ضمیر ملازمین نے مولانا مودودی صاحب سے اس حلف کی شرعی پوزیشن کے بارے میں سوال کرنا شروع کئے۔ ان سوالات کا جواب ترجمان القرآن میں دیا گیا اور حسب ذیل امور مولانا نے پورے دلائل کے ساتھ واضح کر دیئے۔

(ا) خدا کے سوا اور کسی کی غیر مشروط وفاداری کا حلف لینا مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔ مخلوق کی فرمانبرداری و اطاعت صرف "معروف" کی حد تک ہو سکتی ہے۔

(ب) پاکستان کی خیر خواہی کا حلف لینا جائز ہے لیکن موجودہ دستور یعنی ایکٹ ۱۹۳۵ء کی وفاداری کا اقرار کرنے کے نہ کوئی معنی ہیں اور نہ انگریز کے بنائے ہوئے ایک کافرانہ دستور کے بارے میں ایسا اقرار کرنا جائز ہی ہے۔

(ج) آئندہ بننے والے دستور کے لئے وفاداری کا پیمان اسی شرط سے مشروط کر کے استوار کیا جا سکتا ہے کہ وہ اسلام کے خلاف نہ ہو۔

(د) ایسے حلف کو جبراً لینے کی صورت میں حکومت اپنے دیانتدار ترین کارکنوں سے جو جھوٹا حلف

لینے پر تیار نہ ہو سکیں گے ، محروم ہو جائے گی اور اس حلف کو وہی لوگ گوارا کریں گے جن کے نزدیک اس کا کوئی سوال ہی نہیں کہ کیا حلف لیا جا رہا ہے اور اس کی ذمہ داریاں کیا ہو سکتی ہیں۔

۷۔ اس حقیقت کو مولانا مودودی نے ایک ملاقات میں پاکستان کے وزیر داخلہ اور مغربی پنجاب کے وزیر اعظم کے سامنے جب واضح کیا تو ان کی آنکھیں کھلیں ۔ چنانچہ بعد میں اس لغو کارروائی کو روک دیا گیا۔

۸۔ اس کے بعد حلف وفاداری کا مورچہ بھی ختم ہو گیا۔

(۶) جماعت اسلامی حکومت سے بہانوں اور حیلوں کے سارے ہتھیار ایک ایک کر کے چھین چکی تھی، لیکن حکومت کے ملازمین اور دوسرے اقتدار پرست لوگ در پردہ اپنے حلقوں میں انہیں بے معنی حیلوں حوالوں کا پروپگنڈہ کرنے میں مصروف تھے اسی دوران میں حکومت قراردادِ مقاصد کو پاس کرنے پر مجبور ہو گئی جس نے جماعت اسلامی کی پوزیشن کو اور زیادہ مضبوط کر دیا۔

(۷) واقعات یوں ہیں کہ جماعت اسلامی کے اہم ترین کارکنوں کو نظر بند کر کے حکومت اپنی جگہ مطمئن ہو گئی تھی کہ اب مطالبہ نظام اسلامی کی مہم کا زور ہم نے توڑ دیا ہے اور جماعت اسلامی کی تحریک کے پھلنے کی ہوا ہم نے نکال دی ہے۔ یہاں تک کہ گرفتاری کے دو ماہ بعد دسمبر ۴۸ ۱۹ء میں درپردہ یہ اسکیم بن چکی تھی کہ پاکستان کے ایک لادین (SECULAR) ریاست ہونے کا اعلان کر دیا جائے ۔ لیکن ان حضرات کو اس کا اندازہ نہیں تھا کہ جماعت اسلامی کی تحریک ایک فرد کا مظاہرۂ شخصیت (ONE MAN SHOW) نہ تھی ، بلکہ مودودی صاحب کی گرفتاری کے بعد جماعت کا نظم پہلے کی طرح مضبوطی سے کام کرتا رہا اور اس کی سرگرمیوں نے ثابت کر دیا کہ مولانا مودودی اپنی جگہ کام کرنے کے لئے جن کارکنوں کو چھوڑ گئے ہیں ان کی ذہنی اور اخلاقی تربیت قابلِ اعتماد حد تک ہو چکی ہے ۔ چنانچہ دسمبر تک کارکنانِ جماعت نے زہر آلود فضا کو اتنا صاف کر لیا کہ مطالبہ دوبارہ چمک اٹھا اور اکابرِ حکومت اپنے پروگرام میں تامل کرنے پر مجبور ہو گئے ۔ پھر جماعت نے فروری ۴۹ ۱۹ء تک مطالبے کا تیسرا ریلا اس زور سے اٹھایا کہ مارچ ۴۹ ۱۹ء میں حکومت نے گھٹنے ٹیک دیئے اور نہایت شرافت سے قراردادِ مقاصد پاس کر کے مطالبے کے جوہر کو دستوری حیثیت سے تسلیم کر لیا۔

یہ ایک عجیب سیاسی لطیفہ ہے کہ دستور ساز اسمبلی کے ایوان میں جس شخص کے مطالبے کے جواب میں قراردادِ مقاصد

پاس کی جارہی تھی، اسے بدستور جیل میں بند رکھا گیا تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ اتنے بڑے لیڈر اس نوخیز مردِ مجاہد سے شکست کھا گئے ہیں جس سے شکست کھائی جارہی تھی اسکی نظر بندی میں اضافہ کی تجویزیں محض اس انتقام کے لیے کی جارہی تھیں کہ تو نے فتح کیوں حاصل کر لی ہے؟

(۸) قراردادِ مقاصد کا پورا پورا تجزیہ کرنے کے بعد جب جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کو اطمینان ہوگیا کہ اس میں مطالبہ کا جوہر تسلیم کر لیا گیا ہے اور اس میں وہ اصول آگئے ہیں جن کو ایک اسلامی دستور کے لئے بنیاد بنایا جاسکتا ہے تو اس نے دیانتدارانہ طریق سے اسے قبول کر لیا۔ اس سلسلے میں مجلس شوریٰ نے ایک ابتدائی بیان مؤرخہ ۱۳ مارچ کو جاری کیا اور پھر تفصیلات کو واضح کرنے کے لئے اور اپنے دستور میں ترمیم کرنے کے لئے اس نے اپنے دوسرے اجلاس منعقدہ ۵/ ۶/ ۷/ ۸/ اپریل ۱۹۴۹ء کی قراردادوں میں یہ تصریحات کر دیں:۔

(۱) قراردادِ مقاصد کے بعد جب ہماری ریاست اپنی دستوری زبان کے ذریعے اس بات کا اقرار کر چکی ہے کہ حاکمیت اللہ کے لیے ہے، اور ریاست کا پبلک لاء جمہوریت، آزادی، معاشرتی انصاف، اور رواداری کے اُن اصولوں پر مبنی ہوگا جو اسلام نے مقرر کئے ہیں، اور ریاست کا کام یہ ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو اس قابل بنائے کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق منظم کریں، تو اس قرارداد کے بعد یہ ریاست اصولاً ایک اسلامی ریاست بن چکی ہے؛ اور اس کے بعد وہ دستوری رکاوٹیں ازخود ختم ہوگئی ہیں جو سابق کافرانہ نظام میں شریعت کی طرف سے ہم پر عاید ہوتی تھیں۔

(ب) تمام سرکاری ملازمتیں جائز ہوگئی ہیں۔ ملازمین رکن جماعت بن سکتے ہیں۔

(ج) جائز حقوق حاصل کرنے کے لئے موجودہ عدالتوں میں مقدمات لے جانے کی رخصت حاصل ہوگئی ہے۔

(د) اسمبلیوں کی رکنیت اور انتخابات میں حصہ لینا بھی جائز ہوگیا ہے۔

(۲) اب ہر مومن کا فرض ہے کہ اپنے دل و دماغ کی تمام قابلیتیں اور اپنے تمام ذرائع و وسائل اس ریاست کو محفوظ و مستحکم بنانے، اسے ترقی دینے اور اسے شکل و روح کے اعتبار سے ایک مکمل

اسلامی ریاست بنانے کی کوشش میں صرف کردے اور جس شکل اور جس حیثیت میں بھی وہ اسکی کوئی خدمت انجام دے سکتا ہو، بہ دل و جان انجام دے۔

(س) مذکورہ بالا تغیر کے بعد جماعت کی پالیسی میں جو تغیر آپ سے آپ ہو گیا ہے، وہ یہ ہے کہ اب ریاست سے ہمارا معاملہ ایجابی طور پر (POSITIVELY) وفادارانہ ہے۔ عدم تعاون کا رویہ ختم ہو گیا ہے۔ اب ہم باہر ہی سے نہیں، بلکہ اندر سے بھی اصلاح و ترقی کی پوری پوری کوشش کریں گے۔

یہ وہ فیصلہ تھا جس نے حکومت کے تمام مُہروں کو ایک ہی داؤں میں مات دے دی۔ اور وہ اپنی جگہ بالکل بے بس ہو کے رہ گئی، ورنہ درحقیقت ارادے یہ تھے کہ قراردادِ مقاصد کو مضبوط مورچہ بنا کر جماعت اسلامی پر شدید ترو ار کیا جائے۔

(۹) قراردادِ مقاصد کے سامنے آنے اور جماعت اسلامی کی طرف سے اس کے فراخدلانہ خیر مقدم ہونے کے فوراً بعد ملک بھر میں یہ آواز بلند ہونے لگی کہ اب آخر حکومت کے پاس مولانا کی نظر بندی کے لئے کیا وجہ جواز باقی ہے، چنانچہ جابجا مختلف جماعتوں کے جلسوں میں ریزولیوشن پاس ہوئے، مختلف لیڈروں اور علماء، اور خصوصاً مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے مولانا کی نظر بندی کے جاری رہنے کے خلاف بیانات دیئے اور پبلک میں ایک عام اضطراب کی لہر اٹھنا شروع ہو گئی۔ ہمارے لیڈر اگر ملک و ملت کے بہی خواہ اور مولانا مودودی سے اختلاف کرنے میں مخلص ہوتے تو وہ قراردادِ مقاصد بعد میں پاس کرتے اور ان کی رہائی کے احکام پہلے جاری کرتے۔ لیکن ان حضرات کو چونکہ اپنی لیڈری کے لئے مولانا کی طرف سے مستقل خطرہ محسوس ہو رہا تھا، اس لئے سارے اختلافات کے ختم ہو جانے کے بعد بھی ان کو سوجھی تو نظر بندی میں اضافے ہی کی سوجھی۔ یہ دوسرا ششماہی اضافہ (مورخہ ۴ اپریل ۴۹ء تا ۳ اکتوبر ۴۹ء) ان لوگوں کے عزائم کو اور ان کے مخاصمانہ جذبات کی اصل بنا کو بالکل نمایاں کر چکا ہے۔

(۱۰) یہ ایک عجیب واقعہ ہے کہ قراردادِ مقاصد کے بعد اپریل میں مولانا مودودی اور ان کے رفقا کی نظر بندی میں جو اضافہ فرمایا گیا ہے، اس کے بارے میں کوئی سرکاری بیان منظرِ عام پر نہیں آیا اور یہ اس بات کا ثبوت

تھا کہ جیلوں اور بہانوں کے تھیلے خالی ہو چکے اور اب حکومت کے پاس نظر بندانِ جماعت اسلامی کے خلاف ایک حرف بھی کہنے کو باقی نہیں رہا۔ ۴ر اپریل ۱۹۴۹ء کے موقف پر کھڑے ہو کر جب ایک سوچنے سمجھنے والا آدمی فروری ۱۹۴۸ء سے اپریل ۱۹۴۹ء کی تاریخ پر نظر ڈالتا ہے تو وہ مسئلہ کشمیر، مسئلۂ دفاع اور حلف وفاداری کے مسئلے کی اصل حقیقت اور ان کے پروپگنڈے کے اصل مقصد کو سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتا۔ یہ تاریخ اس کو اس بات کی شہادت بہم پہنچاتی ہے کہ نظر بندی ملک و ملت کے مفاد کے لئے نہیں، بلکہ اپنی لیڈری کو بچانے کی خاطر عمل میں لائی گئی تھی۔

(۱۱) اس کے بعد چھ مہینے مزید گذر تے ہیں اور ساری پبلک یہ امید لگائے بیٹھی ہے کہ حکومت اپنی حماقت کا تسلسل اب تو ختم کر دیگی اور مولانا مودودی کی رہائی یقینی ہے۔ لیکن عوام الناس کے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہی، جب حکومت کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ مولانا مودودی اور ان کے رفقا کی نظر بندی میں مزید چھ ماہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یہ تازہ اضافہ پھر اسی بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ سارا تشدد محض اس لئے ہو رہا ہے کہ:۔

(ل) مولانا ممدوح اور ان کے ساتھیوں سے اس بات کا انتقام لیا جائے کہ انہوں نے کیوں ایسے حالات پیدا کئے جن میں ان حضرات کو قراردادِ مقاصد کے پاس کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

(ب) جس قراردادِ مقاصد کو انہوں نے مجبوراً مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے پاس کر دیا ہے، اسکو محض دھوکے کی ٹٹی کے طور پر استعمال کرنے کے امکانات پیدا کئے جا سکیں، اور اس کے پردے میں اسلام کی ایک من مانی تعبیر کر کے اسے زبردستی نافذ کر دیا جائے اور ملک میں کوئی ایسا شخص موجود نہ رہے جو ان لوگوں کے مصنوعی اسلام کا پردہ چاک کر سکے۔ کچھ لوگوں کو قید کر کے ان کی زبان بندی کر دی گئی، اور کچھ دوسرے لوگوں کو وہ اس قید کے ذریعہ سے گویا کنایۃً دھمکی دے رہے ہیں کہ اگر وہ ان کی حرکات پر حرف زنی کریں گے تو ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو فلاں اور فلاں کا ہو چکا ہے۔ چنانچہ سردار عبدالرب نشتر ایک غیر مسلم رکن اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے یہ بات مولانا مودودی کے بارے میں بطور فخر اور بعض لوگوں کے لئے دھمکی کے طور پر کہہ چکے ہیں کہ

HE IS IN JAIL

اور پھر یہ واقعہ بھی کچھ پرانا نہیں ہوا کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو کراچی کے نیم سرکاری اخبار نے یہ تنبیہ کی دی کہ آپ اپنے متعلق حسنِ ظن کو نقصان نہ پہنچائیں یعنی حکومت کی کسی نامعقول سے نامعقول حرکت پر بھی کوئی جائز سے جائز اعتراض بھی مت کیجیے۔

(ج) جماعت اسلامی نے انقلابِ قیادت کا جو فیصلہ کیا ہے اور اس مقصد کے لیے صوبہ مغربی پنجاب (اور اس کے بعد پاکستان کے دوسرے صوبوں) کے ہونے والے انتخابات میں عملی حصہ لینے کا جو اعلان اس کی طرف سے ہو چکا ہے، اُس کے پیشِ نظر مولانا اور ان کے ساتھیوں کو نظر بند رکھ کر ایک پارٹی کی ڈکٹیٹر شپ میں انتخابات کرانے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ حکومت کو یہ معلوم ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی اور ان کے رفقاء کی جس دن رہائی ہوئی اس دن پبلک — جو لیگ کی لیڈر شپ سے بیزار اور اس کی انتشار پذیر تنظیم سے ٹوٹ رہی ہے — تیزی سے جماعت اسلامی کے گرد سمٹنے لگے گی اور حکومت کے پروپیگنڈے کے تمام جال جواب پرزے پرزے ہو چکے ہیں اس کا راستہ روک نہ سکیں گے۔ اس احساس کے تحت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ نظر بندانِ جماعت اسلامی کو ابھی اور کچھ مدت جیل میں رکھا جائے۔

(۱۲) حکومت پاکستان نے پبلک کے اضطراب کو دیکھ کر اور اس میں اضافہ ہو جانے کے اندیشے کو محسوس کرتے ہوئے اب کی مرتبہ مولانا کی نظر بندی میں اضافہ کے حکم کو جائز ثابت کرنے کے لئے بیان دینا ناگزیر سمجھا ہے لیکن بتقاضائے بیان پوچ اور لچر قسم کا ہے اور اس میں جس مغربی ڈپلومیسی کو استعمال کیا گیا ہے، اس نے ہمارے لیڈروں کی ذہنیت کو اور زیادہ بے نقاب کر دیا ہے۔ اس بیان کے نشر کرنے والوں نے دیانتداری سے کام لینے کے بجائے غلط فہمی پیدا کرنے کے لئے یہ طرز اختیار کیا ہے کہ اولاً سیفٹی ایکٹ کو جاری رکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے یہ کہا کہ سیاسی اور سازش کرنے والوں کی سرگرمیوں کی روک تھام کے لئے چونکہ کوئی قانون موجود نہیں ہے، لہٰذا حکومت اسے برقرار رکھنے پر مجبور ہے، اس کے بعد مولانا اور ان کے رفقاء کی نظر بندی کو جاری رکھنے کے جواز میں یہ بات کہی ہے کہ حکومت بڑی احتیاط سے سوچ سمجھ کر سیفٹی ایکٹ کو صرف ان لوگوں کے خلاف استعمال کر رہی ہے جن کے متعلق واقعی شبہات ہیں۔ اس ساحرانہ طرزِ بیان سے گویا ایچ پیچ کے ساتھ مولانا مودودی اور ان کے رفقا

کے متعلق یہ ظاہر کرنے کی ممکنہ کوشش کی گئی ہے کہ یہ حضرات بھی جاسوسی اور سازش کے الزامات ہی کے مورد ہیں۔ اس بیان پر حسب ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا کوئی جواب حکومت کے پاس نہیں ہے

(ا) پبلک سیفٹی ایکٹ تو انگریزی حکومت نے زمانۂ جنگ میں بنایا تھا، اور اس سے پہلے بہر حال جاسوسی اور بغاوت کے جرائم کے لئے عام ملکی قانون ہی کے تحت کارروائیاں کی جاتی تھیں۔ کیوں نہیں اُن قوانین کو استعمال کیا جاتا؟

(ب) اگر ملکی قانون جاسوسی اور سازش کے جرائم کی روک تھام کے لئے ناکافی ہے تو کیا وجہ ہے کہ کوئی نیا قانون نہیں بنا لیا جاتا اور کوئی آرڈی ننس نافذ نہیں کر لیا جاتا؟ قانون کے موجود نہ ہونے سے یہ کیسے جائز ہو گیا کہ لاقانونی کو قانون قرار دے لیا جائے۔

(ج) کیا وجہ ہے کہ حکومت نے مولانا مودودی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں کر دی کہ ان کے بارے میں فلاں فلاں الزامات لگانے کے لئے قوی شبہات ہیں؟

(د) شبہات ہی شبہات میں ان حضرات کی نظر بندی کو ایک سال ہو چکا ہے اور اب چھ ماہ کا اور اضافہ کیا گیا ہے۔ لیکن کیا حکومت بتا سکتی ہے کہ اسے سی آئی ڈی کو اور اس کے محکمۂ سنسر کو گہری جستجو کے باوجود کوئی دستاویز، کوئی تحریر، کوئی شہادت اپنے شبہات کے حق میں بہم پہنچی بھی ہے؟ جب ایک سال میں کچھ نہیں ملا تو کیا دس سال تک ان کو محض اس لئے نظر بند رکھا جائے گا کہ ابھی تک شبہات کے لئے ثبوت نہیں ملے!

(ہ) اگر کسی طرح کے الزامات کے لئے حکومت دلائل بھی رکھتی ہے اور وہ دلائل اخباری بیان میں سامنے نہیں لائے جا سکتے تو کیوں نہ ان کو کھلی عدالت کے سامنے رکھ دیا جائے اور اگر کھلی عدالت سے اندیشہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ کسی بند کمرے میں سماعت مقدمہ کا انتظام نہ کر لیا جائے؟

(۲) مذکورۂ بالا بیان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیفٹی ایکٹ کا جتنا استعمال انڈین یونین کے صوبہ مدراس اور مشرقی پنجاب میں ہو رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہمارے صوبہ مغربی پنجاب میں بہت ہی کم استعمال کیا جا رہا ہے مغربی پنجاب میں اس وقت صرف چھ سیاسی افراد نظر بند ہیں۔ اس منطق کے تحت تو ہزاروں نظر بندی بھی موجود ہوں

تو بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہٹلر اور اسٹالن کے مقابلے میں تو ہم کم زیادتیاں کر رہے ہیں۔ سوال نظر بندوں کی تعداد کا نہیں، بلکہ اگر ایک نظر بند کو بھی اسلام کے تصورِ انصاف کے خلاف خدا کے دیئے ہوئے حقوقِ آزادی سے محروم کیا گیا ہے تو پھر یہ سمجھنا چاہیئے کہ پورا ملک نظر بند ہے اور پوری ملت کی آزادی خطرے میں ہے۔ یہ کہنا کہ ہم بڑی احتیاط سے سیفٹی ایکٹ کو استعمال کر رہے ہیں، صرف اس صورت میں کوئی معنی رکھتا ہے جب کہ معاملات باقاعدہ عدالت میں آئیں، الزامات پر بحث ہو، شہادتیں پیش ہوں اور ملزمین کو صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔ صرف یہی ایک صورت ہے جس کے ذریعے واضح ہو سکتا ہے کہ سیفٹی ایکٹ کا کونسا استعمال محتاط تھا اور کونسا غیر محتاط۔ لیکن جب الزام لگانے والی بھی حکومت ہو، شہادتوں کا جائزہ لینے والی بھی حکومت ہو، فیصلہ کرنے والی بھی حکومت ہو، اور پبلک کی نگاہوں سے تمام حالات مخفی رکھے جا رہے ہوں تو اس صورت میں محتاط اور غیر محتاط استعمال میں کون فرق کر سکتا ہے۔ سیفٹی ایکٹ کے لئے محتاط استعمال کی اصطلاح استعمال کرنا بالکل ایسا ہے جیسے کوئی قصاب بکری کے گلے پر چھری پھیرتے ہوئے یہ کہے کہ چھری کا استعمال سوچ سمجھ کر محتاط طریق سے کیا جا رہا ہے۔

حکومت کے اس بیان نے جو اس نے نظر بندانِ جماعت اسلامی کی میعاد نظر بندی میں اضافہ کرتے ہوئے نشر کیا ہے، ہمارے ملک کے لیڈروں کے منطقی افلاس اور اخلاقی دیوالیہ پن کو بالکل المنشرح کر دیا ہے۔ اب یہ لوگ کھلم کھلا انتقامی روش کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ان کے سامنے پبلک کا مفاد نہیں بلکہ اپنا مفاد ہے اور اپنے ہی مفاد کے لئے انہوں نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں غلط پروپگنڈہ کیا، اپنے ہی مفاد کے لئے انہوں نے دوسرے شوشے چھوڑے، اور اپنے ہی مفاد کے لئے یہ مولانا مودودی اور ان کے رفقا کی میعاد نظر بندی میں بار بار اضافے کرتے چلے جا رہے ہیں۔

ان حضرات کو نہ اس کی پروا ہے کہ مولانا شبیر احمد عثمانی جیسا عالم دین جو باقاعدہ اپنی سرکاری حیثیت بھی رکھتا ہے جماعت اسلامی کے اکابر کی نظر بندی کو ناروا قرار دے چکے ہیں، نہ انہیں اس کی پروا ہے کہ ملک کی تمام اسلام دوست اور آزادی پسند جماعتیں اور دیانت دار اور دلیر لیڈر اس نظر بندی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر چکے ہیں، نہ انہیں اس کی پروا ہے کہ پاکستان کے ہر بڑے شہر اور قصبے کی اکثر مساجد سے ایسے ریزولیوشن بار بار پاس

ہو چکے ہیں جن میں اس نظر بندی کو ظلم قرار دے کر نظر بندوں کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا گیا ہے، نہ انہیں اسکی پرواہ ہے، کہ جماعت اسلامی کے زیر اہتمام بڑے اور چھوٹے مقام پر کئی کئی بار جلسہ ہائے عام میں اس نظر بندی کے ناجائز ہونے کے بارے میں حکام کو متنبہ کیا جا چکا ہے نہ ان کو اسکی پرواہ ہے کہ ملک کے گوشے گوشے سے ہزارہا تار، محضر نامے، خطوط اور مراسلے مولانا مودودی اور ان کے رفقا کی رہائی کے لئے مرکزی اور صوبائی حکومت کے دفاتر میں موصول ہو رہے ہیں، نہ ان کو اسکی پرواہ ہے کہ لاہور، کراچی اور دوسرے مقامات کے جرائد نے بالاتفاق حکومت کی روش کو غلط قرار دیا ہے اور ہمارے نظر بندوں کی رہائی پر زور دیا ہے۔

رائے عام کے جذبات کا اظہار جتنے مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے، مولانا مودودی اور ان کے رفقا کی رہائی کے لئے برابر ہو رہا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری پبلک یہ کہتی ہے کہ اسکی سیفٹی کو نظر بندانِ جماعت اسلامی سے کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ وہ ان کی خدمات کی ضرورتمند ہے۔ آخر وہ پبلک کونسی ہے اور کہاں رہتی ہے جو یہ سمجھتی ہے کہ اسکی سیفٹی کو مولانا مودودی اور ان کے رفقا سے خطرہ ہے اور جس کا حوالہ دے کر ہمارے ملک کے لیڈر پبلک سیفٹی ایکٹ کا مکروہ ترین استعمال فرما رہے ہیں۔ کہیں پبلک کے لفظ سے ملک کے چند وزرا اور گورنر صاحبان ہی تو مراد نہیں ہیں، جن کی لیڈری کی سیفٹی خطرے میں مبتلا ہے۔

اگر صورتِ واقعہ یہی ہے — اور حالات گواہی دے رہے ہیں کہ یہی ہے تو یہ خطرہ مولانا مودودی اور ان کے ساتھیوں کو جیل میں رکھنے سے روز افزوں ہوتا جائے گا، اور جس دن بھی ان کی رہائی ہوگی اس دن ملک کی توجہات کا مرجع انشاء اللہ وہی ہوں گے۔ کیونکہ ملت نظامِ اسلامی کے قیام کا فیصلہ کر چکی ہے اور اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن صاحب اصلاحی، میاں طفیل محمد صاحب اور ان کے ہم مسلک رفقا کی خدمات سے استفادہ کرنا ناگزیر ہے۔ ان حضرات کا مقام جیل میں نہیں، بلکہ میدانِ عمل ہے۔ دیر یا سویر انہی حضرات کے ہاتھوں سے اس ملک میں نظامِ اسلامی کا سنگِ بنیاد رکھا جانا ہے اور اس مقصد کے لئے ملت کو پوری جدوجہد کرنی ہوگی کہ وہ آگے بڑھ کر اپنی "امانت" کو ملتان جیل سے واپس حاصل کرے۔ وبیدا اللہ التوفیق ؛